

بناتے ہیں۔ پر تمہاری ان سے ترمی نہیں دسال ڈلتے سے اچھی چیز نہیں بن جاتی ہے۔

ملوانی کچھ اور لمحے مہاراٹ۔ تھوڑی سی رڑپی میری طرف سے لے لیجئے۔

موٹے رام: بھوسک تو نہیں ہے۔ لیکن دے دو پاؤ بھرا!

ملوانی: پاؤ بھرا کیا یعنی گاہا چڑا جھا ہے۔ اکھہ سیر تو لمحے۔

خوب شکر سیر ہونے کے بعد پہنڈت جی نے تھوڑی دیر بازار کی سیر کی۔ اور تو بختے بھتے مکان پر  
کھینچے۔ سیاں سناٹا چاہیا بواستھا۔ ایک لاٹھیں جل رہی تھی۔ آپ نے بستر جمایا اور سوچئے۔

تو اپنی عادت کے موافق کوئی آٹھ بجے الٹھے۔ دیکھا کہ مالو صاحب ٹھہر رہے ہیں۔ انھیں  
چکا ہوا دیکھ کر دہ پالا گئی کر کے بولے۔ مہاراٹ، آپ کہاں چلے گئے ہیں؟ ہیں بڑی رات تک آپ کی  
راہ دیکھتا رہا۔ کھانے کا سب سامان بڑی دیر تک رکھا رہا۔ جب آپ نہ آئے تو رکھوا دیا گیا۔  
آپ نے کچھ بھوجن کیا تھا یا نہیں؟

موٹے رام: ملوانی کی دکان سے کچھ کھا آیا تھا۔

بھال چند رہ؟ اجی پوری میٹھائیں وہ مزہ کہاں جو بائی اور دال میں ہے دس بارہ آنے  
خوب ہوئے ہوں گے اور پھر بھی پیٹ نہ بھرا ہو گا۔ آپ میرے مہماں ہیں، جتنے پیسے لگنے ہوں لے  
لیجئے گا۔

موٹے رام: آپ ہی کے ملوانی کی دکان پر کھا آیا تھا۔ وہ جو سکر پر میٹھا ہے۔

بھال چند رہ کتھے پیسے دینے پڑے؟

موٹے رام: آپ کے حساب میں لکھ دینے ہیں۔

بھال چند رہ جتنی میٹھائیں ل ہو سمجھے بتا دیجئے ورنہ بعد کو بے ایمان کرنے لگا گا۔ ایک  
ہی ملھگ ہے۔

موٹے رام: کوئی دھان سیر میٹھائی نہیں آدھ سیر بڑی۔

مالو صاحب نے تعجب آئیز لگھا ہوں سے پہنڈت جی کو دیکھا گویا کوئی الزکمی بات سنی ہو۔

جن سیر تو سیاں کچھی مہینہ بھرا تو مل بھی نہ ہوتا تھا اور یہ حضرت ایک ہی بار کوئی چار روپے کا  
مال اڑا کئے۔ اگر ایک آدھ روز اور رہ گئے تو دیوال ہی نکھل جائے گا۔ پیش رہے یا شیطان  
کی قبر۔ تین سیر اکچھے نہ کھانا ہے ایک پریشان کی حالت میں دوڑے ہوئے اندر گئے اور نگیل  
سے بوئے۔ کچھ سختی ہو۔ یہ حضرت کل تین سیر میٹھائی اڑا گئے۔ سیر سکی توں!

نگیل رہا نے متھر ہو کر کہا۔ اجی نہیں تین سیر بھلا کیا کھائے گا۔ آدمی ہے یا ایبل؟

بھال چند رہ تین سیر تو وہ اپنے منے سے کہہ رہا ہے۔ چار سیر سے کم نہ کھا بابا ہو گا، کبی توں؟

نگیل اپنیت میں سینچر ہے کیا؟“

بھال چند رات آج اور رہ گیا تو چھ سیر پر ہاتھ صاف کر لے گا۔  
نگیل ہنڑ آٹ رہے کیوں ہی خط کا جواب جو دینا ہو، دے کر رخصت کرو۔ اگر رہتے تو  
صاف کہہ دینا کہ ہمارے یہاں مٹھان مفت نہیں آتی۔ بھوپالی بنا نا ہو تو بنا بیں ورنہ اپنی راہ  
لیں جنہیں ایسے ہیں کوئی کوئی مٹھان سے مکتنی، بیبات ملکی ہو وہ کھلائیں ہمیں البتہ مکتنی نہ چاہیے  
امگر پہنچت جی رخصت ہوئے گو تیار ملچھ تھے اس لیے ہابو صاحب کو کس چالاک سے کام  
لینے کی نصیحت نہ پڑی۔ پوچھا، کیا تیار می کردیں مہاراجا؟“  
موٹے رام، ہاں سرکار، اب چلو نگاہ نوبکے کی گاڑی لے گی نہیں۔

بھال چند رات بھلا آج تو اور رہئے۔

یہ کہتے کہتے ہابو صاحب کو خوف ہوا کہ کہیں یہ مہاراجا کی پیڈرہ جائیں اس لیے اس جملہ  
کو کیوں پوچھا ہوں گا کامنڈار کر دے ہوں گے؟“  
موٹے رام، ایک دو دن کی توبات نہ تھی۔ اور اب اورہ بھی یہی تھا کہ گودتی جس اشناں پر دھگا  
گھر براہ راست تو کہوں۔ آپ لوگوں یہی برہنگوں کی کچھ بھی بھتی نہیں ہے۔ ہمارے بھانہیں جو  
ہمارا منہ چوتھے رہنے والے کر پہنچت جی کرنے آگیا (حکم) دیں تو اس کا پالیز تعمیل ہر جیں۔ جنم ان  
کے دروازہ پہنچ جاتے ہیں تو وہ اپنادھنیہ بھاگ مانئے ہیں۔ اور سارا گھر تپھوئے بڑوں  
کے ہماری خاتمہ کرنے جیں آگ جاتا ہے۔ ہمارا اپنا اور نہیں ایک جھن، الجی بھی جیسے خبر ناگوارا  
ہے، جہاں برہن کا آر رہیں وہاں کھیان نہیں ہو سکتا۔

بھال چند رات مبارات جم سے تو ایسا اپر ادھ (قصور) نہیں ہوا۔

موٹے رام، اپر ادھ نہیں، اب اپر ادھ کسے کہتے ہیں؟ جی اپنے ہمراکر کہا کہ یہ  
خفرت ہے، یہی زمان پت کر گئے پنی خولی، آپ نے اسی ہانے والے دیکھ دیا، ایک بارہ  
کھلانے تو آئھیں کھل جائیں۔ ایسے ایسے دیکھ دیتے ہوئے ہے جس چھپسیری بھر  
منہان تھے کے لیے ہماری خوشابہ کی جانی۔ روپے دیتے جاتے ہیں، نیم فقیر نہیں جو آپ کے  
دردار ہے، ہر سو ہیں۔ آپ کا نام سن کر آئئے تھے۔ یہ جانتے تھے کہ یہاں بھومن کے بھی لا لے  
پڑیں گے۔ جایئے ہمیوں آپ کا بھلا کریں۔

ہابو صاحب اس تدر نادم بورے گر مذت بات نہ تکلیز نہ گی جس انھیں کہی ایسی  
لعنت طامتہ کی تھی۔ بہت باتیں بنائیں۔ آپ کا ذکر نہ تھا۔ ایک دوسرے بیٹھنے کی  
بات تھی، لیکن پہنچت جی کا غصہ فردہ ہوا۔ وہ سب کچھ برداشت کر رہے تھے۔ اگر اپنے پریت کی

ست نہیں۔ عورتوں کو عورت کی مذمت ختنی بڑی لگتی ہے اس سے کہیں بُری صردوں کو لپٹنے پڑت کی مذمت معلوم ہوتی ہے۔ بالو صاحب سناتے نہ تھے مگر یہ کھنکا بھی لگا ہوا تھا کہ یہ طہر نہ جائیں۔ ان کے بخل کا پردہ فاش ہو گیا تھا۔ اب اس میں کچھ شک نہ تھا۔ اس پر د کوڈھنکا ضروری نہ تھا۔ اپنے بخل کی پردہ داری کے لیے انہوں نے کوئی بات اٹھا د رکھی تھی۔

مگر شدن ہو کر رہی؟ پچھتا رہے تھے کہ کہاں سے گھریں اس کی بات کہنے گیا اور کہا بھی تو بلند آواز میں یہ سمجھتے بھی کہاں لگائے سنتا ہے! مگر پچھتا نے سے کیا ہو سکتا تھا؟ نہ جانے کسی شخص کی شکل دکھی تھی۔ کہ یہ مصیبت پڑی۔ اگر اس وقت یہاں سے خفا ہو کر چلا گیا تو دیاں جا سکر پذیرا کرے گا۔ اور بیساار اپر دہ فلاش ہو جائے گا۔ اب تو اس کامنہ بند کر دینا ہی پڑے گا۔ یہ سوچتے ہوئے گھریں جا کر رنگیل بائی سے بولے "اس دشی نے ہماری تھاری باقی میں نہیں۔ روٹھ کر چلا رہا ہے۔"

رنگیل: "جب تم جانتے تھے کہ دروازے پر کھڑا ہے تو آہستہ کیوں نہ بولے؟"  
بھال چندر: " المصیبت آتی ہے تو اکیلے نہیں آتی۔ میں کیا جانتا تھا کہ دروازے پر کان لگائے کھڑا ہے۔"

رنگیل: "ز جلنے کس کامن دیکھا تھا۔"  
بھال چندر: "وہی دشی سامنے لیٹا ہوا تھا۔ جانتا تو اونہر دیکھتا ہی نہ اب تو اسے کچھ دے د لائے اپنی گرنا پڑے گا۔"

رنگیل: "اوہہ جانے بھی دو۔ جب تمہیں وہاں شادی ہی نہیں کرنے لوگ کیا پردہ داہ ہے۔ جو چاہے سمجھے، جو چاہے کہے۔"

بھال چندر: "یہاں نہ جان بیگی۔ لا اوس روپے خستا نہ کے بہانے دیدوں۔ ایشور پھر اس شخص سکی صورت نہ دکھائے۔ رنگیل نے بہت پچھتا تھے ہوئے دس روپے نکالے اور بالو صاحب نے لے جا کر پنڈت جی کے قدموں پر رکھ دیئے۔ پنڈت نے دل میں کہا: "دھستہ تھرے مکھی چورس کی! ایسا گرا کہ یاد ہی کرو گے۔ ثم سمجھتے ہو گئے کہ دس روپے دے کر اسے اتو بنا لوں گا۔ اس پھریں نہ رہنا یہاں تھاری نس بہپا نتے ہیں۔ روپے جیب میں رکھیے اور آشیزاد دعا دے کر اپنی راہ لی۔"

(۳)

کھیان کے لیے اب ایک مشکل سوال پیدا ہو گیا تھا۔ شوہر کی دفات کے بعد اسے اپنی بُری حالت کا یہ پہلا اور تمنہ تجھر ہوا۔ غریب یوہ کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت ہو سکتی

ہے کہ جو ان لڑک سر پر موجود ہو ہے لڑکے برہنہ پا، پڑھنے جا سکتے ہیں، چوکا برتنا بھی اپنے ہاتھ سے کیا جا سکتا ہے؟ جھونپڑے میں دن گزارے جا سکتے ہیں۔ مگر جو ان لڑک کھریں نہیں بھائی جا سکتی۔ کلمیان کو بھال چند رپر ایسا غفتہ آنا تھا کہ میں خود جا کر اس کے منز میں کا لکھو لگاؤ۔ اس کے سر کے ہال نوپڑا لوں کھروں۔ تو اپنی بات سے پھر گیا۔ تو اپنے باپ کامیاب نہیں! پنڈت مرٹ رام نے ان کی قلعی اچھی طرح کھول دی تھی۔

وہ غفتہ میں بھری میٹھی تھی کہ کرشنہ کھلیتی ہوئی آئی اور بول لی کے دن میں بارات آئے گی اماں؟ پنڈت جی تو اگئے ہے۔

کلمیان: بارات کا سپند دیکھ رہی ہے گیا۔

کرشنہ: وہی چند رتو کہہ رہے ہے کہ دوین دن میں بارات آئے گی۔ کیا زامگی اماں؟

کلمیان: ایک بار تو کہہ دیا، سرکبوں کھالی ہے؟

کرشنہ: سب کے گھر تو بارات آرہی ہے۔ ہمارے یہاں کیوں نہیں آتی؟

کلمیان: تیرے یہاں جو بارات لانے والا تھا اس کے گھر میں آگ لگ گئی۔

کرشنہ: پہنچ اماں تب تو سارا گھر جل گیا ہو گماں کہاں رہتے ہوں گے؟ ہمیں کہاں مبارک رہتے گے؟

کلمیان: ارے چکلی تو تو بات نہیں سمجھتی آگ نہیں لگی۔ وہ ہمارے یہاں بیباہ ذکر ہے؟

کرشنہ: یہ کیوں اماں؟ سپلے تر دہاں شھیک بروگیا سخنانہ۔

کلمیان: بہت سے روپے مانگتا ہے۔ میرے پاس اسے دیتے کو روپے نہیں ہیں۔

کرشنہ: ہمیادہ بڑے لاپتی میں اماں؟

کلمیان: لاپتی نہیں تو اور کیا ہیں۔ پورا اقتصان، بے درد غایباز!

کرشنہ: تب تو اماں بہت اچھا ہوا۔ ہمیں ان کے ساتھ کیسے رہتی؟ یہ تو خوش ہونے کی

بات ہے، اماں۔ تم رنج کیوں کرتی ہوو؟

کلمیان نے لڑک کو محبت آئی رآ کھوں سے دیکھا۔ اس کہنا لکھنا پڑے ہے۔ بھولے بھائی لفظی میں سوال کا لکھنا اثر کر دینے والا جواب ہے، سچے سچ یہ خوش ہوئے کی بات ہے کہ ایسے بڑے لوگوں سے ناطہ نہیں ہوا۔ اس میں رنگ کی توکوں بات نہیں، ایسے بڑے آدمیوں میں بیچاری بزر ملا کی رہ جائے کیا ذردا شاہوت اپنے بھائی کو روتنی۔ ذر اساحی دوال میں زیادہ جاتا تو سارے گھریں شوریج جاتا۔ ذر اکھانا زیادہ پک جاتا تو ساس دنیا سر برائٹھا لینی۔ رہا بھی ایسا ہی لاپتی ہے۔ بڑی کی اچھی بات ہوئی۔ درد بیچاری کو تمام عمر رو ناپڑتا۔ کلمیان یہاں سے ابھی

تو اس کا دل ہمکا ہو گیا تھا۔

مگر شاد می توکر لی ہی تھی، اور ممکن ہو تو اس سال درند و صرے سال تو پھر نئے صرے سے تیاریاں کرنی پڑیں گی۔ اب ترا جچھے گھر کی ضرورت نہ تھی، اچھے بڑی ضرورت نہ تھی ہدایت کرو اچھا گھر اور بڑی گھاں ملتا ہے؟ اب ترکی طرح سر کا بوجہ اُتارنا تھا۔ کسی طرح لڑکی کو پیدا کرانا تھا۔ اسے کتنی بیسی میں ڈھکیلانا تھا! وہ خوب صورت ہے، خوشخوب ہے، ہوشیار ہے، ہمیز زہنے تو ہو آکرے، جہیز نہیں تو اس کے جلد اوصاف عیوب ہیں۔ اور جہیز ہے تو جلد عیوب اوصاف ہیں۔ انسان کی کوئی قدر نہیں، اصراف جہیز کی قدر ہے! قسمت کا کتنا دل ہلا دینیے والا کھیل ہے!

کلیاں کا کچھ قصور نہ تھا۔ بیکس اور بیرہ ہونا ہی اسے الزام سے برمی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کراپنے لڑکے اپنی لڑکیوں سے کہیں زیادہ غبیز تھے۔ لڑکے ہل کے بیل ہیں۔ بھوسہ کھل پر پہلا حق ان کا ہے۔ پھر ان کے کھانے سے جو بیکھ رہے وہ گائیوں کا امکان تھا، کچھ نقد تھا۔ سکنی بزرگ کے گھنے تھے، مگر اسے ابھی دو لڑکوں کی پروردش کرنی تھی، انھیں پڑھانا لکھانا تھا۔ ایک لڑکی اور چار پانچ سال بیس بیاہ کے لائق ہو جاوے گی۔ اس لیے وہ کوئی بڑی رقم جہیز نہ دے سکتی تھی۔ آخر لڑکوں کو بھی تو کچھ چاہیے، وہ کیا سمجھیں گے کہ ہمارا بھی کوئی باپ تھا۔ پنڈت موڑ رام کو لکھنؤ سے لوٹ پندرہ دروز گزر چکے تھے۔ لوٹنے کے بعد وہ دوسرے ہی روز سے لڑکے کی کھوج میں نکلنے تھے۔ انھوں نے عہد کر لیا تھا کہ ان لکھنؤ والوں کو دکھادو نیگاہ دنیا میں نہیں اکیلے رہیں ہو۔ بلکہ بتاہر چیزیں بہت پڑے ہوئے ہیں۔ کلیاں روز رو گنا کرتی تھی۔ اچھا اس نے ان کو خط لکھنے کا تپیہ کر لیا تھا وہ قلم دوات لے کر میں ہی تھی کہ پنڈت موڑ رام نے قدم رنج فرمایا۔

کلیاں: آئیے پنڈت جی۔ جیس تو آپ کو خط لکھنے باری تھی۔ کب لوٹے؟  
موڑ رام: لوما تو بڑے سویرے ہے ہی تھا۔ مگر اسی وقت ایک سینھ کے بیاں سے بلا را آگیا۔ کئی روز سے تمہاں نہ ملا تھا۔ میں نے کہا کہ لگے ہاتھ اس کام کو بھی نہیں تھا۔ اچھوں دھی سے چلا اور ہاہوں۔ کوئی پانچ سو یہ سہنیوں کا بجھوجن نہ تھا۔

کلیاں: کچھ کام بھی نہیں برا بیار استہ جی ناپنا پڑا۔  
موڑ رام: کام کیوں نہیں کیا تو نہ ہوتا۔ بھلا ری بھی کوئی بات ہے۔ پانچ جگہ بات چیت کر آیا ہوں۔ پانچوں کی نقل لا بایہوں۔ ان بیس سے آپ جسے چاہیں پسند کر لیں۔ یہ دیکھنے کوڑکے کا باپ ڈاک کے محکمہ میں سود و پیہ ماہوار کا ملازم ہے لڑکا ابھی کالج میں پڑھ رہا ہے مگر نوکری

ہیں لا بھروسہ ہے۔ گھر بیٹیں کوئی جائیداد نہیں۔ لڑکا ہونہا معلوم ہوتا ہے۔ خاندان بھی اچھا ہے، دو ہزار بیٹے ہو جائے گی۔ مانگتے تو وہ تین ہزار بیٹیں ہیں۔“  
کلیان لڑکے کے اور بھی بھائی ہیں؟“

موٹے رام：“نہیں۔ مگر تین بیٹیں ہیں اور تینوں کی نواری۔ ماں زندہ ہیں اچھا، اب دوسرا نقل دیکھئے۔ یہ لڑکا بیل کے محکمہ میں پیاس روپیہ ماہوار پاتا تھا، ماں باپ نہیں ہیں۔ نہایت خوب صورت، بہت اچھے سو بھائو والا خوب مفسبوط بدن کا کسرتی جوان ہے، مگر خاندان اچھا نہیں، کوئی گھٹتا ہے، ماں نائن تھی کوئی گھٹتا ہے ٹھکران تھی۔ باپ کسی ریاست ہیں مختار نہ ہے۔ گھر پر کچھ زمین دار ہے مگر اس پر کسی ہزار کا فرضہ ہے۔ یہاں کچھ لینا، دینا نہ پڑے گا۔ عمر کوئی میں سال ہوگی؟“

کلیان：“خاندان میں داعی نہ ہوتا تو منظور کر لیتی۔ دیکھو کہ تو کھنی نہیں لگائی جاتی؟“  
موٹے رام：“تیسرا نقل دیکھئے۔ ایک سال دار کا لڑکا ہے کوئی ایک ہزار سالا نہ مانا ہے۔ کچھ گھٹتی باری ہوتی ہے۔ لڑکا پڑھا لکھا تھوڑا ہی تھا۔ مگر چہری عدالت کے کام میں ہم خیار ہے۔ دوسرا بیاہ ہو گا۔ پہلی عورت کو صرف دو سال ہوئے۔ اس سے کوئی اولاد نہیں ہے۔ لیکن رہن سہن دلacz معاشرت؟ موٹا ہے۔ پیسا کوٹنا گھر ہیں بیس ہوتا ہے؟“  
کلیان：“کچھ جہیز بھی مانگتے ہیں ہے؟“

موٹے رام：“اس کی کچھ نہ پوچھیے، چار ہزار سناتے ہیں۔ اچھا یہ چو تھی نقل دیکھئے۔ لڑکا دیکھا ہے، عمر کوئی پنیس سال کی ہوگی۔ تینیں جارسو کی آمد فی ہے۔ پہلی عورت مر جی ہے، اس سے تین لڑکے بھی ہیں۔ اپنا گھر بنوا یا ہے، کچھ جائیداد بھی خریدی ہے۔ بہاں بھی لینے دینے کا جھگڑا نہیں ہے۔“

کلیان：“خاندان کیسا ہے؟“  
موٹے رام：“بہت اچھا، زائلے رکھیں ہیں۔ اچھا یہ پانچوں نقل دیکھئے۔ باپ کا اچھا ہے خانہ ہے۔ لڑکا پڑھاتو۔ بی۔ اے بیک ہے مرتپیا۔ خاندان کا کام رہتا ہے۔ میر، اسال میر کی بھریں چھا پڑھانے کے سوائے کوئی عائداد نہیں ہے۔ میر کا فرضہ سر بر سنبھی۔ خاندان بہت اچھا ہے۔ میرا۔ لڑکا بہت خوب صورت اور اپنے پال وطن کا ہے۔ میر ایک ہزار میتے میر معااملہ نہ ہو گا۔ مانگتے تو وہ تین ہزار ہیں۔ اب بتائیے، آپ کو ان سا بزر پسند کرتی ہیں جہا۔“  
کلیان：“آپ کو سب ہیں سے کون پسند ہے؟“  
موٹے رام：“مچھ تو وہ بزر پسند ہیں۔ ایک وہ جو ریلوے میں است اور دوسرا ہے تو

چھا پر خانہ میں کام کرتا ہے؟

سمیان؟ مگر سچلے کے خاندان میں آپ عیب بتلاتے ہیں؟

مولیٰ رام؟ یہاں یہ بات تو ہے، تو پھر چھا پر خانہ دالتے ہی کو رہنے دیجئے۔

سمیان؟ یہاں ایک ہزار دینے کو کہاں سے آئے گا؟ ایک ہزار تو آپ کا اندازہ ہے، تایید وہ اور بھی منہ بھلائے۔ آپ تو گھر کی حالت دیکھ جی رہے ہیں، کھانا ملتا جائے بھی غصہ نہ ہے۔ روپ پرے کہاں سے آئیں گے؟ زمیندار صاحب چار ہزار سناتے ہیں۔ ڈاک بالوں کی دو ہزار کا سوال کرتے ہیں۔ ان کو جانے دیجئے۔ بس وکیل صاحب بکری کر رہتے ہیں پہنچیں سال کی عمر بھی کچھ ایسی زیادہ نہیں۔ انھیں کو گیوں نہ رکھئے؟

مولیٰ رام؟ آپ خوب سوچ بچار لیں، یہ تو آپ کی مرضی کا نا بعدار ہوں، جہاں کہے ٹھاں ہاں فیکر کروں گا۔ مگر ہزار ڈڑھ ہزار کا منہ نہ دیکھئے۔ چھا پر خانہ دالاڑ کا ہیرا ہے؟ اس کے ساتھ لڑکی زندگی پھول ہو جائے گی۔ جیسے یہ روپ اور گن کی پوری ہے، ویسا طراہ بھی سند را درستیل ہے؟

سمیان؟ پسند تو مجھے بھی بھی ہے مہاراج، مگر روپے کس کے گھر سے لاوں۔ کون دیئے والا ہے؟ ہے کوئی؟ ایسا دالی؟ کھانے والے تو کھاں کر ہل دیئے۔ اب کس کی سورت بھی دکھال دیں؟

دیتی۔ بلکہ اور مجھے برا مانتے ہیں کہ میں نکال دیا جو بات اپنے بس کے ہاہرے، اس کے لیے ہاتھ ہی کیوں پھیلاوں؟ اولاً دکس کو بیاری نہیں ہوتی ہے کون اسے سکھی دیکھنا نہیں چاہتا۔؟

پر جب اپنا کوئی بس بھی ہو۔ آپ ایشور کا نام لے کر وکیل صاحب کو فیکر کر آئے یعنی کچھ زیادہ ہے، مگر مرناجینا ایشور کے ہاتھ سے پہنچیں سال کا آدمی بڈھا نہیں کھلانا اگر لڑکی کے نصیب میں سکھ بھوگنا بدا ہے تو جہاں جائے گی سکھی رہے گی۔ اور دکھ بھوگنا ہے تو جہاں ہائے گی دکھ جھیلے گی۔ ہماری نرملاؤں کو بچوں سے محبت ہے، ان کے بچوں کو اپنا سمجھے گی۔ آپ ابھی ساتھ دیکھ کر فیکر کر آئیں؟

(۵)

نرملاؤں کا بیاہ ہو گیا سرال آگئی۔ وکیل صاحب کا نام تھا۔ میش طوطا رام، سانو لے رنگ کے مولیٰ تازے آدمی تھے۔ عمر تو ابھی چالیس سال سے زیادہ نہ تھی مگر دکالت کی سخت محنت نے سر کے بال سفید گردیئے تھے، ورزش کرنے کی انھیں فرصت نہ تھی۔ یہاں تک کہ کسی بھی کہیں کھونے بھی نہ جاتے تھے۔ اس لیے پیٹ بڑھ گیا تھا۔ بدلن کے فرہ ہونے پر بھی آئے دن کوئی نکوئی شکایت بنی رہتی۔ ہر ہفت اور ہوا سیرے سے مستقل رفاقت تھی۔ پس بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔ ان کے بین لڑکے تھے۔ بڑا نسرا رام ٹلوہ سال کا اور چھوٹا نسرا رام سات سال کا۔ تینوں

انگریزی پڑھتے تھے۔ بھر میں دکیل کی بیوہ بہن کے سوا کوئی عورت نہ تھی۔ وہی بھر کی ماں تھی۔ اس کا نام تھا رکن اور اس کی عمر پچاس سال سے زائد نہ تھی۔ بسراں میں کوئی نہ تھا۔ مستقل طور پر بیویں رہتی تھی۔

ٹوٹار ایم علیم ازدواج سے خوب واقف تھے۔ نر ملاکو خوش کرنے کے لیے ان میں جو قدرتی کمی تھی اسے وہ تحفہ جات سے پوری کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ کفایت شعارات کو تھے مگر نر ملاکے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ روز لا یا کرتے۔ موقع پر روپیہ کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ خود کبھی ناشستہ نہ کرتے تھے، لڑکوں کے لیے تھوڑا تھوڑا داد دھا آتا تھا مگر نر ملاکے لیے میوے۔ مرتبے، مشہائیاں، کسی کی کمی نہ تھی۔ وہ زندگی میں سیر تماشے کے لیے نہ گئے تھے مگر تعطیل میں نر ملاکو سینما، سرس، تھیٹر دکھلانے لے جاتے۔ اپنے بیش قیمتی وقت کا تھوڑا سا حصہ اس کے ساتھ بیٹھو گراموفون بجانے میں بھی گزانتے لیکن نر ملاکو نہ جائے کیوں۔ ٹوٹار ایم کے پاس مشینے اور ان سے بننے پولنے میں تامل ہوتا تھا۔ اس کا شاپ دی یہ سبب تھا کہ اب تک اسی قسم کا ایک شخص اس کا باپ تھا۔ جس کے سامنے وہ سر جھکا کر اور بد ن چھا کر نکلتی تھی۔ اب اسی غر کا ایک شخص اس کا شوہر تھا۔ وہ اسے محبت کی چیز نہیں، عزت کی چیز سمجھتی تھی۔ ان سے بھائی پھر تی، ان کو دیکھتے ہیں اس کی خوشی کافر ہو جاتی تھی۔

دکیل صاحب کو ان کے علم ازدواج نے سکھلا یا کر نوجوان عورت سے خوب محبت بھری با تینیں کرنی جائیں، اس کے سامنے دل نکال کر رکھ دینا چاہئے۔ یہی اس کی تیزیر کا غرض منتر ہے۔ پس دکیل صاحب اپنے اٹھاوار محبت میں کوئی گسرنہ انتحار کرتے تھے۔ مگر نر ملاکو ان بالتوں سے نفرت ہوتی تھی۔ وہی یا تینیں جنہیں کسی نوجوان کے منہ سے شن کر اس کا دل نشرت محبت سے صربناہ مہوہا جب دکیل صاحب کے منہ سے نکلتی تھیں تو اس کے دل میں نیرسی جا کر لگتی تھیں۔ ان میں مزانہ تھا، لطف نہ تھا، دل نہ تھا بلکہ تصنیع تھا، فریب تھا، اور روکھا پھیکا لفظی تلازمہ اسے عطر و قلن برے نہ لگتے، سیر و تماشے بڑے نہ لگتے۔ بنا اُسنگا کرنا بھی براز لگتا، البتہ اسے برائگتا تھا۔ ٹوٹار ایم کے پاس بیٹھنا! وہ اپا حسن و شباب اُنھیں نوکھانا چاہتی تھی کیونکہ کہ دہاں دیکھنے والی آنکھیں نہ تھیں۔ وہ انھیں ان لمعتوں سے لذت اندوز ہو لے کے قابل ہی نہ سمجھتی تھی، جیوں یہم کی کے منہ سے شکفتہ ہوتا ہے، دونوں میں یکسان تازگی ہے، انر ملاکے لیے وہ نیسم تھری کہاں تھی۔ پہلا ہمینہ گزرتے، ہی ٹوٹار ایم نے نر ملاکو اپنی خزانی بنا لیا۔ بچہری سے اگر دن بھر کی کمائی دیتے۔ ان کا خیال تھا کہ نر ملاکو روپوں کو دیکھو کر خوشی سے بچوں نہ سمائے گی۔ نر ملاکے شوق سے اس عہدہ کا کلام انجام دیتی۔ ایک ایک پیسہ کا حساب رکھتی۔ اگر شعبی بند پیسے کہلاتے تو پیچی کی تاج کم کیوں

ہیں؟ اور خانہ داری کے متعلق ان سے خوب باتیں سکتی۔ انھیں باتوں کے لائق وہ ان کو سمجھتی تھی جیوں ہی کوئی تفہن آئیز کلہ ان کی نبان سے نکلی جاتا، اس کا چہرہ اداس ہو جاتا تھا۔ نر ملا جب گئے کپڑوں سے اپنا سندھار کر کے آئینہ کے سامنے کھڑی ہوتی اور اس بیٹی اپنے حسن روح افراد کا فکس دیکھتی تو اس کا دل ایک حسرت بھری امگن سے بے قرار ہو جاتا تھا۔ اس وقت اس کے سینے میں آگ سی جبلِ لختی تھی۔ جی بیٹی آتا کہ اس تھر کو آگ لگادوں۔ ماں پر غصہ آتا، باپ پر غصہ آتا، اپنی قسمت پر آتا۔ اور سب سے زیادہ اُسے غصہ آتا۔ چارے بے قصور طوطا رام پر اودہ بھی شر اسی کوفت میں بنتا رہی۔ ہائکا سوار بڑھے لد و ڈھون پر سوار ہو ناکب پسند کر لیگا، خواہ اسے پیدل ہی کیوں نہ پہننا پڑے؟ نر ملا کی حالت اسی پاکنے سوار کی سی تھی۔ وہ اس پر سوار ہو کر اڑنا چاہتی تھی۔ اس کی مسیرت خیز بر ق رفاقتی کا لطف اٹھانا چاہتی تھی، اسے ٹھوک کے ہتنا نے اور کنو تیاں کھڑی کرنے سے کیا آمدید ہوئی؟ ممکن تھا کہ بچوں کے ساتھ بنس کھیل کر وہ ذرا دیر کے لیے اپنی حالت کو بھول جاتی، دل کچھ ہرا ہو جاتا مگر کمنی دیروں بچوں کو اس کے پاس کھٹکنے بھی نہ دیتی تھیں گو یادہ کوئی ڈاعن ہے جو انھیں کھا جائے گی۔ کمنی کا مزاج ساری دنیا سے نرالا تھا۔ یہ پتہ لکھانا مشکل تھا کہ وہ کس بات سے خوش ہوتی تھیں۔ اور کس بات سے ناراضی۔ ایک بار بھی بات سے خوش ہو جاتی تھیں۔ درستی بار ۹ سی بات سے ناراضی ہوتی تھیں۔ اگر نر ملا اپنے کرے بیٹی بھی رہتی تو کہتیں کہ نہ جانے کہاں کی منحوسیبے۔ ہر ڈھنے پر جاتی یا ہر یوں سے باتیں کہتی تو سینہ کر لی کرنے لگتیں۔

لاج ہے ن شرم، بھگوڑی کے حیا بھون کھانی ہے، اب کیا؟ کچھ دنوں میں بازار بازار ناچے گی۔ جب سے دکیل صاحب نے نر ملا کے باتھے میں روپے پیسے دینے شروع کے سر کمنی اس کی نکتہ جنپی پر آمادہ ہو گئی تھی۔ اسے معلوم ہوتا تھا کہ اب قیامت ہونے میں بہت تھوڑی کسر رہ گئی ہے رڑکوں کو بار بار پیسے کی ضرورت پڑتی۔ جب بھک وہ خود ناک تھی، انھیں بہلا دیا کر تھی، اب ان کو سیدھے نر ملا کے پاس بھج دیتی۔ نر ملا کو کر لڑکوں کا چھور اپنی اچھانہ لکھاتا تھا، سمجھی جسی پیسے دینے سے انکار کر دیتی۔ کمنی تو اپنے لفظی تیر سر کرنے کا موقع مل جاتا، اب تو مالکن ہوں گے لیے کہے کو جیں گے۔ بلا ماں کے بچوں کو کون پوچھے؟ رہبیوں کی مشھائیاں کہا جاتے تھے۔ اب دھمیلے دھیلے کو ترستے ہیں! نر ملا اگر جڑھ کر کسی دن بلا پور تھم پیسے دیتی تو رہبی کی اس کی اوری طرح نکتہ چینی گز میں، انھیں کیا ہی رڑکے مریں یا جیں، ان کی بلا سے ماں کے لبیں کون سمجھائے کہ میٹا، بہت مشھانی ملت کھاؤ؟ آئی گئی تو میرے سر جاؤ دے گی۔ انھیں کیا؟ میں تک ہوتا شاید نر ملا شاید فسبط کر لیتی مگر دیوبھی جی خفیہ پولیس کے سپاہی کی طرح نر ملا کا بیچا کر لی جنپی تھیں تاگرد

سو نئے پھری ہے تو فضور کی پر نظر دوڑا ہی ہوگی۔ میری سے بات کرتی ہے تو فضور جی اسے  
براں پر قبضہ ہوگی۔ بازار سے کچھ منگوانی ہے تو فضور کوئی شوق کی چیز نہ ہوگی۔ وہ برا بر اس کے  
خط طکر پڑھنے کی کوشش کر لے گزتیں، چھپ پھچپ کر اس کی بائیں سنا کرتیں۔ نرملائن کی  
رو رھار والی تلوار سے کاپتی رہتی، یہاں تک کہ ایک روز اس نے شوستر کہا۔ آپ ذرا  
جی جی کو سمجھا دیں ایکوں میرے چھپے پر سی رہتی ہیں؟"

ٹولارام نے تیز لمحے ہیں کہا۔ مگر اتنیں کچھ کہا ہے کہا ہے۔

"روزہ کہتی ہیں۔ بات منہ سے ملختی مشکل ہے۔ اگر انہیں اس بات کی جانی ہو سکیہ  
مالکہ کیوں بنی ہوئے تو آپ انہیں کو روپیتے دیجئے، مجھے نہیں پاسی۔ وہی مالک بنی ہوئے  
ہیں صرف اتنا ہیں چاہتی ہوں کہ کوئی مجھے طفیل نہ دیا کرے؟"

یہ کہتے کہتے نرملائن آنکھوں سے آنسو سینے لگے۔ ٹولارام کو اپنی بیت خاکر کرنے کا ہوتا  
اچھا موقع ملا، بو لے۔ میں آج ہن ان کی خبر لوں گا۔ صاف کہہ دوں گا۔ اگر مذہب کر کے رہتا ہے،  
تو رہو ورنہ اپنی راہ لو۔ اس گھر کی مالکہ وہ نہیں ہیں، تم ہو! وہ محض نہیں۔ دینے کے لیے ہیں۔ اگر  
مد کرنے کی بجائے تہیں دفی گرتی ہیں، تو ان کے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے تو سوچا تا  
تماک بدھوا ہیں۔ انا تھوڑیں، پاڑ بھرا ناہائیں گی اور پڑی رہیں گی۔ جب اد روزگر پاگر گھاہے  
ہیں تو یہ تو اپنی بہن ہیں۔ لڑکوں کی دیکھ جہاں کے لیے ایک عورت کی ضرورت بھی نہیں، رکھیا  
لیکن اس کے پر معنی نہیں ہیں کہ وہ تہیارے اور پر مکونست کریں؟"

نرملائن پھر کہا۔ لڑکوں کو سکھا رہتی ہیں کہ جا کر ان سے پیے، مگر سمجھی کچھ لڑکے اگر  
میری جان کھاتے ہیں۔ گھری بھر لیٹنا مشکل ہو جاتا ہے ڈانتی ہوں تو وہ آنکھیں لال پلر کے  
دوڑتی ہیں۔ مجھے سمجھتی ہیں کہ یہ لڑکوں کو دیکھو نہیں سکتی۔ ایشور جانتا ہے کہ یہیں کچوں کو کتنا چاہتی  
ہوں۔ آخر میرے ہی بیکے تو یہیں، مجھے ان سے کیوں جلن ہونے؟"

ٹولارام غصہ سے گاہ پاٹھے، بو لے۔ تہیں جو برق کرے اسے پیٹ دیا کرو۔ میں بھی دیکھتا  
ہوں کہ لڑکے شریر ہو گئے ہیں۔ مدار اس کو تو یہیں پورا دنگ ہاؤں سمجھید و مجاہ، باقی دلوں کو  
ٹھیک کئے دینا ہوں؟"

اس وقت ٹولارام کچھ بیمار ہے تھے، ڈانٹ ڈپٹ کرنے کا موقع نہ تھا۔ لیکن کچھ ہی  
سے واپس آتے ہی انہوں نے کھربیں جا کر رکمنی سے کھا۔ کیوں بہن، تہیں اس گھر میں رہنا ہے  
یا نہیں؟ اگر کوئی ہنا ہے تو سیدھی طرح رہو، یہ کیا کہ دوسروں کا رہنا مشکل کر دو؟"

رکمنی سمجھنئی بہرنے اپنا دارکیا مگر وہ دبنے والی عورت نہ تھی۔ ایک تو عمر کی بڑی، اس

پر اسی گھر کی خدمت میں زندگی گزار دی تھی۔ کس کی مبارکباد تھی کہ انھیں بے دخل کر دے؟ انھیں بھائی کی کم طرفی پر تعجب ہوا۔ بولی تو کیا لوٹدی سن کر رکھو گئے، ہونڈی بن کر رہنا ہے تو اس گھر کی لوٹدی نہ بخواہی۔ اگر تمہاری یہ سرفی ہو کہ گھر بیس کوئی آگ لگادے اور بیس کھڑی دیکھا کروں، کسی کوئے راہ پر چھپ دیکھوں تو پہلے سارے لوں، جو جس کے دل میں آئے اور کرے میں مشی کی صورت بنی۔ بھیجیں رہوں تو یہ سب مجھ سے نہ ہو سکا۔ بہراؤ کیا جو تم آج آپے سے باہر رہے ہو؟ نکل کر کی ساری خلیندی، اکل کی چھوکری چوٹی پکڑ کر بجا نے لگی! کچھ پوچھنا آپھن، میں اس نے ناکھینچا اور تم کاٹھ کے سپاہی کی طرح نلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔

ٹوٹارام، سنتا تو ہوں کہ تم مہیشہ عیب نکالتی رہتی ہو، بات ہات پر طمعے درتی ہو۔ اگر کچھ سیکھ رہتی ہو تو اسے پیارے سے ملام لفظوں میں دنی چاہئے۔ طمع سے نیجت ملنے کے بجائے اور اٹا جی جلنے لگتا ہے۔

رکھنی؟ تو تمہاری میا ایسی سرفی ہے کہ کسی بات میں نہ ہو لوں۔ یہی سبی۔ لیکن پھر نہ کہنا کہ تم تو گھر میں بھی تھیں، کیوں نہیں صلاح دی؟ جب میری ہاتھیں زہر معلوم ہوتی ہیں تو مجھ کیا کئے نے کہا تاہے کہ ہو لوں؟ مثل ہے، ناٹھی کھبستی، بہریوں گھر میں بھی دیکھوں، بہر دیا کیسے گھر چلاتی ہے؟

انتے میں سیارا م اور جیارا م اسکوں سے آگئے۔ آتے ہی آتے دو نوں بو اسکے پاس جا کر کھانا مانگنے لگے۔ رکھنی نے کہا، جا کر اپنی نئی اماں سے کیوں نہیں مانگتے؟ مجھے ہو لئے کام عکس نہیں ہے۔

ٹوٹارام، اگر تم لوگوں نے اس مکان میں قدم رکھا تو مانگ توڑ دوں گا۔ بد معاشی پر کر باندھی ہے؟

جیارا م ذرا شوغ تھا، بولا۔ ان کو تو آپ کچھ نہیں کہتے، ہمیں کو دھرم کاتے ہیں۔ کبھی سبی نہیں دیتیں؟

سیارا م نے اس کی تائید کی۔ کہتی ہیں کہ مجھے دع کر دھگے تو مکان کاٹ لو نکل۔ کہتی ہیں، کہ نہیں جیتا۔

ز ملانے اپنے کم و بولی۔ میں نے کہ کہا تھا کہ تمہارے مکان کاٹ لوں گی؟ اسی سے جھوٹ بولنے لگئے؟

انتا سنتا تھا کہ ٹوٹارام نے سیارا م کے مکان پکڑ کر اس کو اٹھایا۔ لڑکا زور کلایج مار کر روپڑا۔

رکنی نے دوڑ کر پچھے کو فشی جی کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور لمبیں بھی رہنے لگئے تو کیا ماری ڈالو گے؟  
ہائے، ہائے، کام لال ہو گیا! پچھے گھاہے، تھی جو یہی پا کر آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ ابھی سے یہ حال ہے۔  
تو اسے اس گھر کے بھگوان ہی مالک ہیں؟

نر ملا اپنی فتح پر دل ہی دل پیش خوش رہی تھی۔ لیکن جب نمشی جی نے بیچہ کامان پکڑا تھا  
لیا تو اس سے صبر نہ ہو سکا۔ چھڑا نے کو دوڑ میں ٹکر رکنی سپلے ہی نسخہ جھی تھی، بولی سپلے آگ لگادی  
اب کھانے دوڑ می ہو۔ حب اپنے لڑکے ہوں گے۔ تھا آنکھیں کھلیں گی، پر ایسا درد کیا جانا نہ!  
نر ملا، کھڑے تو ہیں، بوجھہ لوز کہ ہیں لے کیا آگ لگادی۔ ہیں نے اتنا ہمی کہا تھا کہ  
لڑکے بخوبی بارہ میسوں کے لیے دف کرتے ہیں۔ اس کے سوا جو میرے منہ سے بچھو اور نکلا ہو تو میری  
آنکھیں پھرٹ جائیں؟

ٹوٹارا مام، ہیں خود ان لوئندوں کی شرارت دیکھا کرتا ہوں اندھا تھوڑا ہی ہوں تینیں  
ضدی اور شریرو ہو گئے ہیں۔ ٹھے میاں کو تو ہیں آج ہی ہوش بھیجنتا ہوں؛  
رکنی؟ اب تک تو تمہیں ان گی کرنی شرارت نہ سوچی تھی۔ آج آنکھیں کبوں آتی تیز گئیں؟  
ٹوٹارا مام، تمہیں نے ان کو شوخ کر رکھا ہے۔

رکنی؟ تو ہیں ہی بس کی گانٹھ ہوں۔ میرے ہی کارن نتمہارا اگھڑو پٹ ہو رہا ہے۔ بوسیں  
جائی ہوں، نتمہارے لڑکے ہیں۔ مار دجا ہے کاؤ، ہیں کچھ نہ بولوں گی؛  
یہ کہہ کر رکنی دہاں سے چل گئی۔ نر ملا پچھے کو رد کیجھ کر دیتا ہے بھگی۔ اس نے اس کو سینے  
سے لگایا اور گود میں لیے ہوئے اپنے گمرے ہیں لا کر اسے چکار لئے گئی۔ لیکن جو اور سک سد  
کر دنے لگا، اس کا مخصوص دل اس پیار میں وہ مانتا نہ پاتا تھا، ہیں سے ایشور نے امکون محروم  
کردیا تھا، صرف رحم تھلے یہ وہ چیز تھی جس پر اس کا کوئی حق نہ تھا، جو صرف خیرات کی صورت ہیں  
اے دی جا رہی تھی۔ باپ نے سپلے بھی دو ایک بار مارا تھا، حب اس کی ماں زندہ تھی۔ لیکن  
تب اس کی ماں اسے سینے سے لگا کر روئی نہ تھی، وہ ناخوش ہو کر اس سے بولنا ترک کر دیتی،  
یہاں بھک کر وہ خود ذرا سی دیر بعد سب کچھ بھول کر پھر ماں کے پاس دوڑا جانا تھا۔ شر اس  
کے لئے مزاپانا نہ اس کی سمجھی میں آتا تھا۔ ماں کے پیار میں تھیں ہوتی تھی۔ مگر نزدیکی ملی ہوئی اس  
پیار میں رحم تھا۔ مگر وہ سختی نہ تھی جو یگانگیت کا خفیہ پیغام ہے۔ تند رست عضو کی پرداہ کوں۔  
سر نہ ہے؟ لیکن وہی عضو جب درد سے ڈکھنے لگتا ہے تو اسے تھیس اور دھکتے سے بچانے کی  
حصہ رک کی جاتی ہے نر ملا کار حم امیز روپی سچے کو اس کے کے کس ہر نیک خوبے سے مبتلا ہو جو دیر بھک  
نر ملا کی گوئیں بیٹھا رہتا ہا اور روتے روتے سو گیا۔ نر ملا نے اسے چوار پال پھر سلانا چاہا تو پچھے

نے سوئے ہوتے اپنے دلوں نازک ہاتھ اس کی گردن میں ڈال دیئے تو اس سے ایسا پلٹ  
محیا گویا نیچے کوئی گذرا ہوا۔ اس کے چہرے پر خوف و اندیشہ کے نشانات ظاہر ہو گئے فرطانے  
پھر بچے کو گود میں رکھا جائیا۔ چار پالی پر نسل اسکی اس وقت بچے کو گود میں لیے ہوئے اسے وہ  
اطمینان قلبی ہو رہا تھا۔ جو ابھی تک کبھی نہ ہوا تھا۔ آج اول صربتہ اس کو اس دل قدر کا احساس  
ہوا جس کے بغیر آنکھیں نہیں کھلتیں، اپنے فرض کا راستہ نہیں سمجھائی دیتا۔ یہ راستہ اب  
دکھائی دینے لگا۔

(۱۴)

اس دن انہی گھری محبت کا زبردستہ ثبوت دینے کے بعد منشی طولارام کو اُمید ہوئی تھی  
کہ نرمل کے دل پر بھرا سکتہ جنم گی۔ لیکن ان کی یہ امید ذرا بھی بوری نہ ہوئی، بلکہ پہلے تو وہ کبھی  
کبھی ان سے بنس کر لو لا بھی کرنے تھی اب بچوں تی کی پر درش و پرداخت میں مصروف رہنے لگی  
جب گھر میں ہاتے تو بچوں کو اس کے پاس بیٹھایا تھے کبھی دیکھتے کہ انھیں کھلارہ ہی ہے کبھی کپڑے  
پہنچا رہی ہے کبھی کوئی کھیل رہی ہے اور کبھی کوئی کہانی سناتھی ہے۔ نرمل کا آرزو مہندول اب  
محبت سے مایوس ہو کر اسی سہارے کو غیثت سمجھنے لگا۔ بچوں کے ساتھ ہنپتے بولنے میں اس کی خیالی  
مامتا کو آسودگی ہوتی تھی۔ شوہر کے ساتھ ہنپتے بولتے اسے جو تامل، لفڑت اور جونا پسندیدگ  
ہوتی تھی۔ بیہاں تک کہ وہ اٹھ کر بھاگ جانا چاہتی، اس کے بھائے بیہاں بچوں کی سیکھی صدھ  
محبت سے دل مسرود ہو جاتا تھا۔ پہلے غسال ام اس کے پاس جاتے ہوئے، جو محبت استھا، مگر  
اب وہ بھی کبھی کبھی جا بیٹھتا۔ یہ نرمل کا محسن نخوا کیں باطنی ترقی میں پائیں سال چھوٹا۔ ہاکی  
اور فٹ بال ہی اس کی دنیا، اس کے تھیک کا دیسیع میدان اور اس کی تھنا توں کا ہر ابھر  
باش تھا۔ اکھرے بد ن کا چھریرا، شکیل، ہنس مکھ اور حیادار لڑکا تھا جس کا گھر سے صرف  
کھانے کا تعلق تھا، باقی تمام دن نہ ہائے کہاں گھومنا رہتا۔ نرمل اس کی زبان سے کھیل کی  
باتیں بن کر ذرا دیر کے لیے اپنے تفکرات سھول جاتی اور پھاہتی ایک بار پھر دنکا دن ہجاتے جب  
وہ گڑیاں کھیلیں اور ان کا ہیاہ رچایا کرتی تھی۔ اور جس کو ابھی تھوڑے، اور بہت تھوڑے دن  
گزرے تھے۔

مشی طولارام دیگر تمہاری انسانوں کی طرح نفس پرست انسان تھے۔ کچھ روز تو وہ مزلا  
کو سیر تھا شے دکھائے رہے، لیکن جب دیکھا کہ ان ہاتوں کا کچھ نیچہ جھیں ہوتا تو انہوں نے  
گھوٹرہ تھا ان افتخار کیا۔ دن بھر کی سخت دماغی محنت کے بعد ان کا دل تفریک کے لیے ہے قرار  
ہو جاتا لیکن جب اپنے تفریک خیز رائے میں داخل ہوتے اور اس کے پھولوں کو مر جایا، پو دوں کو

سو بھا اور کیا بیوں میں خاک آڑتی ہوئے دیکھتے تو ان کے دل میں آتا کہ کیوں نہ اس بانش کو آ جاؤ دوں؟ نہ ملا ان سے کیوں مخاطب نہیں ہوتی، اس کا بھید ان کی سمجھی میں نہ آتا تھا۔ علم ازدواج کی ساری حقائق کو آزمائچئے، مگر ان کی مقصد براری نہ ہوئی۔ اب کیا کرننا چاہئے یہ ان کی سمجھی میں نہ آتا تھا۔

ایک روز اسی تردید میں سمجھی ہوئے تھے کہ ان کے ہم سین دوست علیٰ سکھ رام آگرہ میجو گے اور سلام حرام کے بعد مسکر آکر ہو لے۔ آج کل لوٹھب گھری چھنپتی ہرگی، نئی بیوی کو ہم آنحضرت کر کے جوان کا مزہ آ جاتا ہو گا؟ بڑے خوش نصیب ہرا بھی، روٹھی بھدی جو انی کو منانے کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کہ نیابناہ ہو جائے۔ یہاں تو زندگی و بال ہو رہی ہے۔ بیوی صاحبہ اس بڑی طرح پیکاری میں کسی طرح پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔ میں تو دوسری شادی کی فکریں ہوں کہیں ڈول ہر توٹھیک سٹھاک کر دو۔ دستوری میں ایک روز تھیں اس کے ہاتھ کے بنے جھٹے پان گھلادیں گے؟

ٹوٹارام نے متانت سے کہا گیں ایسی حیات نہ کریں خدا در نیکھاڑے کے لونڈیاں کچھ لو نڈوں ہی سے خوش رہتی ہیں، ہم تم اب اس کام کے نہیں رہے۔ پچھتا ہوں کہ میں شادی کر کے پیختار رہا ہوں۔ بڑی بلاگلے پڑتی۔ سوچا تھا دو چار سال اور زندگی کا لطف اشغالوں مگر اتنی آنکھیں سکھلے پڑیں؟

میں سکھو! تم کیا باتیں کر ہو؟ لونڈیوں کو فابیوں میں لانا کیا مشکل ہے؟ ذرا سیر حاشا دکھادو، اس کے رنگ روپ کی تعریف کر دو، لب رنگ جنم گیا۔

ٹوٹارام؟ یہ سب کر دھر کے ہار گیا۔

میں سکھو؛ اچھا، کچھ عطر و غن، پھول پتے۔ چاٹ واث کا بھی مزہ چکھایا۔

ٹوٹارام؟ اب یہ سب کر چکا۔ علم ازدواج کے سارے منتrod کو آزمائچکا سب جھوٹ ہیں۔

میں سکھو؛ اچھا اب بیری ایک اور صلاح مائز۔ ذرا اپنی صورت بن والو۔ آج کل یہاں ایک بھلی کے داکڑ آئے ہوئے ہیں، جو پیری کے نشانات مٹا دیتے ہیں۔ کیا بمال کہ چھرے پر ایک شکن یا سرکا ایک بال سفید رہ جاتے۔ زبانے، ایسا کیا جادو کر دیتے ہیں کہ آدمی کا کامیا کھپ پھر جاتا ہے؟

ٹوٹارام؟ فیس کیا لینتے ہیں؟

میں سکھو؟ فیس تو سن از بادہ لینتے ہیں۔ شاید پانچ سو روپے

ٹوٹا رام؟ ابی کوئی جلساز ہو سکا یو قوف کو لوٹ رہا ہوگا۔ کوئی روپنی لکھا کر دو چار روز کے لیے ذرا چھڑہ چکنا کر دیتا ہوگا۔ اشتہار میڈاکڑوں پر تو میرا احتفا دہی نہیں دس پانچ گی بات ہوتی تو مکھتا، ذرا دلگی ہی سہی، پانچسو تو بڑی رقم ہے!“  
نین سکھ امتحارے لیے پانچسو کوں ٹبری بات ہے، ایک ماہ کی ڈنی ہے۔ میرے پاس تو سمجھی، اگر پانچ سو ہوتے تو میں سب سے پہلا کام یہی کرتا۔ شباب کے ایک گھنٹہ کی قیمت پانچ سے کہیں زیادہ ہے۔“

ٹوٹا رام؟ ابی کوئی ستائنسو بتاؤ کوئی فقیری جڑی یوئی ہو کہ بلاہر چکھری کے رنگ چوکھا ہو جاوے۔ بجلی اور ریڈیم ٹبرے آدمیوں کے لیے رہنے والے، یہ انہیں مبارک ہوں!“

نین سکھ؟ تو پھر نیکلے پن کا سوانگ بھرو۔ یہ ڈھیلادھالا کوٹ چھکھو تپنہوں کی چستا چکن ہو جڑی دار پا جامدہ، گئے میں طلاقی ترنجیر سر پر جے پوری صاف، آنکھوں میں سرسری اور بالوں میں خدا کا نیل پڑھوا۔ پیٹ کا پچکنا بھی ضروری ہے دوہر اکمر بند ہو ذرا تنکیف تو ہوگی، مگر اچکن سچ اٹھے گی۔ غضاب میں لا دوں کا۔ سوچ پاں غزلیں یاد کر لوا اور موقع موقع سے اشوار ٹھوڑا توں میں چاشنی بھری ہو۔ ایسا معلوم ہو کہ تمہیں دین دنیا ک کچھ فکر نہیں ہے بس جو کچھ ہے معمتوں ہی ہے۔ جو ان مردی اور رہت کے ساتھ کام کرنے کا موقع ڈھونڈھتے رہو۔ رات کو جھوٹ موث شور کر دکھ چور! اور تلوار لے کر اسکیلیپل پڑو یاں ذرا موقع ریکھ لینا، ایسا نہ ہو کہ سچ پچ کوئی آجادے اور تم اس کے پیچھے دوڑ پڑو، ورنہ ساری قلعی کھل جادے گی اور تم مفت میں احمدی ہو گے۔ اس وقت تو جو اندری اسی میں ہے کہ دم سادھ کے پڑے رہتا کہ وہ سمجھے کہ تمہیں خبر جی نہیں ہوں۔ لیکن جیونہی چور بھاگ کھڑا ہو، تم بھی اپنے بابر نکلو اور تلوار لے کر ”کہاں کہاں“ کہتے دوڑو۔ زیادہ نہیں، ایک ہی ماہ میری با توں کو آزم دیکھو اگر تمہارا دم بھرنے لگے تو جو جرم از کہے وہ دوں؟

ٹوٹا رام نے اس وقت تو یہ باتیں مذاق میں ڈا دیں جیسا کہ ایک ہوشیار آدمی کو کرنا چاہیے تھا۔ لیکن ان میں سے کچھ باتیں ان کے دلشیں ہو گئیں، ان کے موئی ہونے میں کوئی شہر نہ تھا۔ آہستہ آہستہ رنگ بد لئے لگئے کہ لوگ جان نہ سکیں۔ پہلے بالوں سے ابتداء ہوئی پھر سرسر کی ہاری آئی بھاں بھک کر ایک دو ماہ میں ان کی کایا پلٹ جی ہو گئی۔ غزلیں یاد کر لئی تجویز تو مصروف نہیں تھی۔ مگر جو اندری کی ڈینگ مارنے میں کوئی ہرج نہ تھا۔

اسی روز سے روزا نہ اپنی بہادری کا کوئی نہ کوئی تذکرہ ضرور چھپر دیتے۔ نر ملا کو شک

ہونے لگا کہ کہیں ان کو دیو انگی سما عارضہ تو نہیں ہو رہا ہے۔ جو مخفی موہج کی دال اور موٹے آٹے کے دو سچلکے کھا کر بھی نہیں سلبیان کا محتاج ہوا سد کے حصیلے پن پرویاں شبہ ہوتے تھے ہی کیا ہے؟ نر ملا پر دیو انگی کا اور تو کیا رنگ جتنا، یاں، اس کو ان پر رحم آنے لگا۔ غصہ اور نفرت کا احساس ہاتھ رہا۔ غصہ اور نفرت کے لیے وہ شخص ہے جو اپنے ہوش میں ہو۔ پاگل نور حم ہی کا استثنی ہے! وہ بات بات میں ان کی چنکیاں لیتی، ان کا مضمکہ اڑاتی ہے تو پاگلوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ ماں اس امر کا احساس رکھتی تھی کہ یہ سمجھے نہ جاویں ۰ ۰ سوچنی کہ چھار ۱۵ بینے ٹنہ کا کفارہ گرد رہا ہے۔ یہ سارا سو انگ صرف اسی لیے تو ہے کہیں اپنا غم بھول جاؤں۔ آخر بھاگ تو بدلتا ہے۔ اس چھارے کو کیوں جلاویں؟

ایک روز رات کے نوبیع طو طارام چھبیسا بٹے ہوئے پیر کر کے لوٹے اور نر ملا سے بولے آج ہیں جو روں سے مقابلہ ہو گیا۔ میں ذرا شنو پور کی طرف چلا گیا تھا۔ اندھرا تھا ہی جو نہیں ریل کی شرک کے پاس پہنچا کہ تمیں آدمی تلوار لیے ہوئے نہ جانے کہ ہر سے نکل پڑے۔ یعنی مالوڑی مینوں سیاہ دلو تھے؛ میں بالکل تنہا با تھے میں صرف ایک چھڑی تھی۔ ادھر مینوں تلواریں باندھے ہوئے گھوڑش اگئے۔ سمجھ گیا کہ زندگی کا بھیں بک ساتھ تھا۔ میں نے بھی سوچا مترادیا ہوں تو بہادروں کی موت کیوں د مردوں؟

لئے میں ایک شخص نے لگا کر کہا۔ ”کہ دے تیرے پاس جو کچھ ہو اور چپ کے چلا جا؟“ میں چھڑی سنبھال کر چھڑا ہو گیا اور بولا۔ ”میرے پاس صرف یہ چھڑی ہے اور اس کی قیمت ایک آدمی کا سر ہے؟“

میرے منہ سے اتنا مکھنا کھا کر مینوں تلوار کھینچ کر سمجھ رچھیٹ پڑے اور میں ان کے داموں کو چھڑی پر رکھنے لگا۔ مینوں جعلًا جھلا کر دار کرتے تھے، کھٹا کے سی آواز آتی تھی اور میں محلی کی طرح لپک کر ان کے داروں کو کاٹ دیتا تھا۔ کوئی دس منٹ تک مینوں نے خوب تلوار کے جو ہر دکھائے، تھکر میرے اذر ابھی بالی میکا نہ ہوا۔ مجبوری یہی تھی کہ میرے ہاتھ میں تلوار نہ تھی۔ اگر کہیں نلوار ہوتی تو ایک کو بھی جیتنا نہ چھوڑتا۔ خیر کیاں بک بیان کروں اس وقت میرے ہاتھوں کی صفائی دیکھنے کے قابل تھی۔ تجھے خود حیرت ہو رہی تھی کہ یہ تیزی مجوہ میں کہاں سے آگئی۔ جب مینوں نے دیکھا کہ بیان دال نہیں گھٹکے کی تو تلوار دیا میان میں کہہ لی اور میرے پیغہوں کو کر بولے۔ جو ان تم سا بہادر اکچھے نہیں دیکھا۔ تم مینوں سورپر بھاری ہیں، ہگاؤں کے ہگاؤں ڈھول بجا کر لوٹتے ہیں۔ مگر آج تم نے ہم کو نہیں پا دکھا دیا۔ ہم تمہارا لواہا مان گئے۔ یہ کہہ کر مینوں پھر فردوں سے ادھیل ہو گئے۔

نر ملانے متانت سے مسکر کر کہا۔ اس چھڑی پر تو سلواروں کے بہت سے نشانہ بنے ہوئے گے؟”  
مشی نے جی اس سوال کے لیے تیار رہتھے، مگر کوئی جواب دینا ضروری نہ تھا۔ بولے میں داروں کو برابر خالی کر دیتا تھا۔ دو چار چھوٹیں چھڑی پر پڑیں تھیں، تو اپنی سہی بجن سے کرنے لشان نہ پڑ سکتا تھا۔

ابھی ان کے منہ سے پوری بات بھی نہ تھی کہ یکاں ایک رکمنی دیوبھی بدھو اس دوڑتی ہوئی آئیں اور ہانپتی ہوئی بولیں۔ ”طوطا، طوطا، ہے کہ نہیں؟“ میرے کرے میں ایک سانپ نکل آیا ہے، میری چارپائی کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔ میں اٹھ کر بھاگ ہو اکون دو گمراہوں کے پھن نکالے پھنکا رہا ہے۔ ذرا اپلو تو، ڈنڈا لیتے چلنا۔

طوطا ام کے چہرے کا رنگ فتنہ ہو گی۔ منہ پر ہوا اسیاں اڑنے لگیں، مگر دلی چند بات کو چھپا کر بولے۔ ”سانپ وہاں کہاں؟“ نہیں دھو کا ہوا ہو گا۔ کون رسی پڑی ہو گی؟“ رکمنی آرے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ذرا اپل کر دیکھنے لو ہے، مرد ہو کر ڈرتے ہو؟“

مشی جی گھر جن سے تو نکلے مگر برآمدہ میں جا کر پھر ٹھہر گئے۔ ان کے قدم ہی نہ رکھتے تھے۔ کلیجہ دھک دھک کر رہا تھا۔ سانپ فضتہ دار جا لور ہے۔ کہیں کاٹ لے تو درست جان سے ہاتھ دھرنا پڑے۔ بولے: ”ذر تا نہیں ہیوں۔ سانپ ہما تو ہے، شیر تو نہیں“ مگر سانپ پر لاٹھی سہارا گر نہیں ہوتی۔ جا کر رسی کو سمجھوں کسی کے گھر سے بجا لالائے؟“ یہ کہہ کر مشی جی پچھے ہوئے باہر چاگئے۔ مسوار ام بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ مشی جی باہر گئے اور ادھروں کھانا چھوڑ کر اپنی ہائی اسکن بانٹھیں لیے ہوئے کرے میں گھس ہی لو گیا۔ اور فوراً چارپائی کھینچ لی سانپ مست تھا بھاگنے کی بجائے پھنس نکال کر کھڑا ہو گیا۔ مسوار ام نے چھٹ پٹھ چارپائی کی چادر اٹھا کر سانپ کے اوپر پھینک دی اور متواتر تباہی چار ڈنڈے زور زور سے نکالے۔ سانپ چادر کے اندر ہن تڑپ کر رہا گیا۔ تب وہ اس کو ڈنڈے پر اٹھانے ہوئے باہر چلا۔ مشی جی کئی آدمیوں کو سانکھ لئے ہوئے آرے تھے۔ مسوار ام کو سانپ نکالنے ہوئے دیکھا تو دفتاً ان کے منہ سے ایک حیثیت نکل گئی۔ مگر پھر سنبھل گئے اور بولنے میں تو آہکی رہا تھا۔ تم نے جلدی کی۔ دید و کوئی نیسٹ آئے؟“

یہ کہہ کر وہ بڑی بہادری کے ساتھ رکمنی کے کرے کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے اور کمرے کو خوب دیکھہ بھال کر موجوں پر تاؤ دیتے ہوئے نر ملا کے پاس آگر بولے۔

"میں نے جب تک جاؤں جاؤں، مسарам نے اڑا۔ بے سمجھ ملٹا دندا لے کر دوڑ پڑا مانپ کو سہیش بجائے سے مارنا چاہیے، یعنی تو لوگوں میں صیبہ ہے۔ میں نے ایسے کتنے ہی سانپ مارے ہیں۔ سانپ کو کھلا کھلا کر مارنا ہوں۔ سکتے ہی کو تو سٹھی میں پکڑ کر مسل دیا ہے۔"

رکش نے کہا "جاؤ بھائی، دیکھو لیا تھا ری مردانگی!"

نشی جی خجل ہو کر لو لے۔ اچھا جاؤ، میں ڈرپوک ہی سہی، تم سے کچھ انعام تو نہیں مانگ رہا۔ جا کر مہراج سے کہو، کھانا پکالے۔"

منشی جی تو کھانا کھانے کئے اور نر بلاد رواز سے کی چوکھٹ پر کھڑی سورج رہی تھی، بھگوان کیا انھیں سچ پچ کرنی سخت عارضہ ہو رہا ہے؟ کیا میری حالت کو اور بھی ابتر بنا ناپاسنے ہو؟ میں ان کی خدمت کر سکتی ہوں، غرست کر سکتی ہوں، اپنی جوانی ان کے قدموں پر دار سکتی ہوں۔ مگر وہ نہیں کر سکتی جو یہ کہے نہیں ہو سکتا۔ عمر کا فرق ہٹانا میرے لئے کی مات نہیں! آخر یہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ سمجھ گئی! آہ یہ بات پہلے ہی نہیں سمجھی تھی، ورنہ ان کو کبھی اتنی تکلیف اٹھانی پڑتی، کیوں اتنے سو انگ بھرنے پڑتے؟

(۷)

اس روز سے نر ملا کارنگ ڈھنگ بد نہ لگا۔ اس نے اپنے آپ کو فرض پر فربان کر دینے کا تھیہ کر لیا۔ اب تک مایوسی کے غم میں اس نے فرض پر دھیان ہی نہ دیا تھا۔ اس کے دل میں سے قرار می کی آگ سی جلتی رہی تھی جس کی ناقابل برداشت تکلیف نے اُسے بدحواس سا کر رکھا تھا۔ اب اس تکلیف میں کچھ کی واقع ہونے لگی۔ اُسے احساس ہوا کہ میرے لیے زندگی میں کوئی خوشی نہیں اس کا خراب دیکھ کر کیوں زندگی کو فراب کر دیں ہے دنیا میں سب لوگ سکھ کی۔ سچ ہی نہیں سوتے، میں بھی انھیں بدفصیبوں میں سے ایک ہوں۔ مجھے بھی ایشور نے دکھوں کا بوجہ ڈھونے کے لیے چنا ہے۔ وہ بوجہ سر سے اتر نہیں سکتا۔ اسے پھنسکنا بھی اچا بین تو نہیں پھینک سکتی۔ اس بڑے بوجہ سے خواہ آنکھوں میں اندر جبراہر جاوے خواہ گردن ڈٹنے لگے۔ خواہ قدم اٹھانا دو بھر ہو جاوے۔ مگر وہ بوجہ تو ڈھونا ہی پڑے گا۔ عمر بھر کا قید می کھانا تک رہے گا اور روے بھی تو کون دیکھتا ہے کے اسے بردھم آتا ہے؟ رونے سے کام میں ہر رنج ہونے کے سبب اُسے اور زیادہ تکلیفیں سہنی پڑتی ہیں۔

دوسرا روز وکیل صاحب چھری سے آئے تو دیکھا کہ نر ملا خندہ پیشاں کی مورت بعن کر کرے کے در داڑے پر کھڑی ہے۔ پر خوشگں جلوہ دیکھ کر ان کی آنکھیں، آسوارہ ہو گئیں اسچ بہت دلنوں کے بعد انھیں یہ کنول کھلا ہوا نظر آیا۔ کمرے میں ایک بڑا آئینہ دیوار سے لٹکا ہوا

تھا جس پر ایک پر وہ پڑا رہتا تھا، آئتا دہ پر وہ اٹھا رہا تھا۔ وکیل صاحب نے کرے  
میں قدر کھا۔ تو آئینہ پر نگاہ پڑی، اپنی صورت صاف صاف نظر آئی۔ ان کے دل میں چوتھی لگی  
وہ بھر کی محنت سے چہرے کی روشنی معدوم ہو گئی تھی۔ ازماں و اقسام کے متوجہات کھانے پکھی  
خکاروں کی بھریا صاف نظر آرہی تھیں۔ پیٹ کسا ہوا اس نے پر کسی منہ زد رگھوڑے کی طرح باہر نکلا  
ہوا تھا۔ اسی آئینہ کے سامنے مگر دوسرا ہی طرف تاکتی ہوئی نر ملا بھی کھڑی تھی۔ وہ نوں  
صور توں میں کتنی تقاضت تھی، ایک جواہرات سے مزین مالیشان محل سختا تر دوسرا توٹا پھوٹا  
کھنڈڑا وہ اس آئینہ کی طرف زیادہ دیکھوڑے کے اپنی یہ برسی حالت ان کے لیے ناقابل برداشت  
تھی۔ وہ آئینہ کے سامنے سے ہٹ گئے، اپنی ہی صورت سے نفرت ہونے لگی۔ تو پھر اس خوبصورت  
نازیں کہاں سے منتظر ہو ناکوئی تجھب آئیز بات نہ تھی۔ انھیں نر ملا کی طرف دیکھنے کی بھی جہات  
نہ ہوئی۔ اس کا یہ حسن بے مثال ان کے دل کا درد بن گیا!

نر ملا نے کہا۔ آج اتنی دیر کہاں لگائی، دن بھر راہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں بھر چلاتیں۔  
طو طار اس نے کھڑکی کی طرف تاکتے ہوئے جواہریا مقدموں کے مارے دم مارے کی فرست  
نہیں لٹتی۔ ابھی ایک مقدمہ اور سختا مگر در دسر کا بہزاد کر کے بھاگ کھڑا ہوا۔  
نر ملا۔ تو کوئی اتنے مقدمے لیتے ہو؟ کام اتنا ہی کرنا چاہیئے جتنا آرام ہے ہو سکے، جان دے کر  
خود اہی کام کیا جاتا ہے! بہت مقدمے نہ لیا کرو، مجھے رہبروں کا لائپ نہیں ہے۔ جم آرام سے  
رہو گے۔ تو بہت رو ہیے لمیں گے۔

طو طار اس ”بھی“، آتی ہوئی لکشی بھی تو نہیں مکھان جاتی؟

نر ملا: لکشی اگر گوشت اور خون کی بھینٹ لے کر آتی ہے تو اس کا نہ آنا ہی بہتر ہے۔ بیماری  
کی بھوکی نہیں ہوں؟

اسی وقت منشار اس بھی اسکوئی سے لوٹا۔ دھوپ میں چلنے کی وجہ سے چہرہ پر پیسہ کے  
قطر لے نمودار تھے۔ گورے مکھڑے پر خون کی سرفتی چھار ہی تھی، آنکھوں سے شعاعیں سی  
بنکلتی معلوم ہرتی تھیں۔ دروازے پر کھڑا ہو کر بولا: ”اماں جی لائے کھانے کو نکالئے ذرا  
کھینے ہانا ہے۔“

نر ملا جا کر گلاس پانی کالائی اور پھر اس نے ایک طشتہ میں کچھ بیوپے سکھ کر مساوا

کو دیئے۔ منشار اس کھاپی سر جلنے لگا تو نر ملا نے پوچھا۔ کب تک آؤ گے؟  
منشار اس کہہ نہیں سکتا۔ گوروں کے ساتھ ہاں کی کھینا ہے، پا رک پہاڑ سے بہت  
دور ہے۔

نر للا۔ بھی جلد آنا۔ کھانا مٹھندا ہو جاوے چا۔ تو کھر سے کو مجھے سمجھوں نہیں ہے، منسارام نے زمکانی طرف موڑ دیا۔ مجھت سے دیکھو کر کہا۔ "مجھے دیر ہو جائے تو سمجھو لیجے گا کہ دریں کھا رہا ہوں۔ میرے لیے مشینے کی ضرورت نہیں۔"

وہ چلا گیا تو زمکانی پلے تو گھریں آتے ہی نہ تھے، مجھ سے لوتتے شرما تے تھے، کسی چیز کی ضرورت مولی تو باہر سے منکو اکھیتے۔ جب سے میں نہیں کھجھا تب سے اب آنے لگے ہیں۔

منسارام نے مجھے چڑاہ کر کھا۔ یہ تمہارے پاس کھانے پینے کی چیزوں مانگنے کیروں آتا ہے میں سے کیوں نہیں مانگتا؟"

زمکانے پر بات اپنی تعریف کئے جانے کی لائی ہے کبھی تھی۔ وہ یہ دکھانا چاہتی تھی کہ میں تمہارے لڑکوں سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ اس میں ذرا بھی تصنیع نہ تھا، بلکہ اس کو واقعی لڑکوں سے محبت تھی۔ اس کے طرز و انداز میں اپنے بندھن طفلا نہ جد بات ہی کا غلبہ تھا۔ اس میں وہی آرزو مند تھی، وہی اسید واری۔ وہی شوفی، وہی تفریج پسندی، موجود تھی۔ اور بچوں کے سامنے اس کے پیہ طفلا نہ جد بات آشکارا ہوتے رہتے تھے، سوتیلے پن کی ڈاہ ابھی اس کے دل میں پیدا نہ ہوئی تھی، مگر شوہر کے خوش ہونے کے بجائے ان کے ناک بھوں چڑھانے کا مطلب نہ سمجھ کر لو لی۔ میں کیا جائز گر ان سے کیوں نہیں مانگتے؟ میرے پاس آتے میں تو دنکار نہیں دیتی۔ اگر ایسا کروں تو یہی ہو گا کہ یہ تو لمبا کوں کو دیکھو کر حلپتی ہے۔"

مشی جی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ مگر آج انہوں نے مولکوں سے اپنی نہیں کیں اسید ہے منسارام کے پاس گئے اور اس کا استھان لینے لگے۔ یہ زندگی میں پہلا ہی موقع تھا کہ انہوں نے منسارام اور کسی لڑکے کی تعلیمی ترقی کے بارے میں اتنی دلچسپی ظاہر کی ہو۔ انھیں اپنے کام سے سرانجام کی مہلت ہی نہ ملتی تھی۔ انھیں ان مرضیوں کو پڑھنے لکھنے ہوئے تقریباً چالیس سال ہو گئے تھے، اس وقت سے ان کی طرف آنکھہ بھی نہ اٹھاں تھی۔ وہ قانونی کتب و کاغذات کے سوا اور کچھ پڑھتے ہی نہ تھے۔ اس کا انھیں وقت ہی نہ ملتا تھا، مگر آج انھیں مغلبہ میں وہ منسارام کا امتحان لینے لگے۔ منسارام ذہین تھا اور ساتھ ہی خختی بھی تھا۔ کیبلی میں وہ بندھم کا کھستان ہونے پر بھی اپنے دربے میں اول رہتا تھا جس سبتوں کو اپنے ہار بڑھ لیتا تھا۔ اس کے دل پر نقش کا لمحہ ہوا جاتا تھا۔ مشی جی کو عجلت میں اپنے باریک سوال تو سوچھے ہی نہیں، جن کے جوابات دینے میں ایک ہوشیار لڑکے کو بھی کچھ سرچھا پڑتا اور معمول سوالات کو منسارام نے چلکیوں میں ڈرایا۔ کوئی سپاہی اپنے دشمن پر دار فائی جانا دیکھ کر جیسے جھلک جلا۔ اگر اور بھی تیزی سے دار کرتا تھا۔ اسی طرح منسارام کے جوابات